ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات و ترجیعات

در دیدۂ معنی نگراں حضرتِ اقبال ؕ پیمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

جناب مولانا حکیم فضل الرحمٰن صاحب سواتی مقیم آمبور جنوبی ہند

ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ بڑے جوشیلے اور جذباتی آدمی تھے، جب کبھی اپنے نظریئے کے خلاف کسی میں کوئی بات دیکھ لیتے تو فوراً جوش میں آکر اُس پر تنقید فرماتے، چونکہ وہ صرف جوشیلے اور جذباتی تھے ضدی نہ تھے، اس لئے پھر اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ میں غلطی پر ہوں یا یہ معلوم ہوجاتا کہ لوگ ان کی تنقید کو پسند نہیں کرتے تو فوراً اس سے رجوع فرماتے اور آئندہ اشاعت سے اُس تنقید کو خارج کردیتے، اس موقع پر میں چند تنقیدات و ترجیعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ڈاکٹر محمد اقبال کی پہلی تصنیف مثنوی اسرارِ خودی ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی، میں نے جب اخبارات میں اس کا ذکر دیکھا تو فوراً اُسے منگوا لیا اور غور سے دیکھا، اُس میں دو تنقیدیں تھیں، ایک تو خواجہ حافظ شیراز پر، اور دوسری صوفیائے کرام پر، حافظ شیراز پر بہت سخت تنقید تھی، پینتیس عدد اشعار اس بارے میں درج تھے، یہ تنقید مجھے سخت ناگوار گذری، فوراً ایک خط جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کتاب اچھی ہے۔ لیکن خواجہ حافظ پر جو تنقید ہے وہ ٹھیک نہیں ہے، صوفیائے کرام پر جو تنقید تھی اُس کا جواب خواجہ حسن نظامی رح نے اپنے ماہانہ رسالہ نظام المشائخ میں بہت بسط اور شرح کے ساتھ دیا پھر اُس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اخبار وکیل امرتسر میں دیا، اسی طرح تین بار جواب خواجہ حسن نظامی رح نے دیا اور تین بار ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھا، یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ مجھے اپنے وطن سوات جانے کی ضرورت پڑی چنانچہ ماہِ اگست ۱۹۱۶ء میں لاہور پہنچا اور

جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جو خط دربارۂ تنقیدی اشعار بابت خواجہ حافظ شیراز لکھا تھا اُس کا جواب نہیں آیا، آپ نے فرمایا کہ اِس قسم کے متعدد خطوط ہند اور بیرونِ ہند سے آئے ہیں، ایک خط جو لندن سے مشیر حسین قدوائی نے انہیں لکھا تھا اور اُسی دن انھیں ملا تھا نکال کر سنایا، انھوں نے لکھا تھا کہ مثنوی اسرارِ خودی کو میں نے پڑھا کتاب بہت بہتر ہے، لیکن خواجہ حافظ شیراز پر جو تنقید ہے وہ درست نہیں ہے، پھر جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ اڈیشن سے اُن اشعار کو خارج کر دوں گا، لوگوں کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑے گا ورنہ حافظ شیراز کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جس کا اظہار میں نے تنقیدی اشعار میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حافظ نے اپنی ہستی کا ستیاناس کر دیا۔ معشوق کے سامنے اپنے آپ کو کُتّا ثابت کر دیا ہے، چنانچہ انھوں نے یہ شعر سنا دیا ؎

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی ؛ چرا بگردنِ حافظ نمی نہی رسنے

میں نے کہا کہ یہ شعر مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میں نے سنا ہے کہ تم فُساق و فجار کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیتے ہو حافظ جو فاسق و فاجر ہے اُسے کیوں اپنی آغوشِ رحمت میں نہیں لیتے، یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ تو خاص آدمی ہیں مگر معاملہ تو عوام سے ہے، میں نے کہا کہ دیوانِ حافظ بھی تو عوام کی چیز نہیں، بلکہ خواص کی ہے، آپ نے فرمایا کہ اطمینان رکھئے، میں ضرور اِن تنقیدی اشعار کو حذف کر دوں گا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، وہ تنقیدی اشعار یہی ہیں، غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار ؛ جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
رہنِ ساقی خرقۂ پرہیز او ؛ مے علاجِ ہولِ رستاخیز او
نیست غیر از بادہ در بازارِ او ؛ از دو جام آشفتہ شد دستارِ او
چوں خراب از بادۂ گلگوں شود ؛ مایہ دارِ حشمتِ قاروں شود
مفتیٔ اقلیم او مینا بدوش ؛ محتسب ممنونِ پیرِ مے فروش
طوفِ ساغر کرد مثلِ رنگِ مے ؛ خواست فتوی از رباب و چنگ و نے

در رموزِ عیش و مستی کاملے ❊ از خُمے خوں در دلے پا در گلے
رختِ شغلِ ساغر و ساقی گذاشت ❊ بزمِ رندان و مئے باقی گذاشت
چوں جرس صد نالۂ رسوا کشید ❊ عیش ہم در منزلِ جاناں شدید
در محبت پیروِ فرہاد بود ❊ برلبِ رو شعلۂ فریاد بود
تخمِ نخلِ آہ در کہسار کاشت ❊ طاقتِ پیکار با خسرو نداشت
مسلم و ایمانِ او زنّار دار ❊ رخنہ اندر دینش از مژگانِ یار
آنچناں مستِ شرابِ بندگی ست ❊ خواجہ و محرومِ ذوقِ خواجگی ست
دعوی او نیست غیر از قال و قیل ❊ دستِ او کوتاہ و خرما بر نخیل
آں فقیہِ ملّتِ ما خوارگاں ❊ آں امامِ اُمتِ بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموختہ است ❊ عشوہ و ناز و ادا آموختہ است
دل ربائی ہائے او زہر ست و بس ❊ چشم او غارت گرِ شہر ست و بس
ضعف را نامِ توانائی دہد ❊ سازِ او اقوام را رسوا کند
اربُزِ یوناں زمیں زیرک تر است ❊ پردۂ عودش حجابِ اکبر ست
نغمۂ چنگش دلیلِ انحطاط ❊ ہاتفِ او جبرئیلِ انحطاط
بگذر از جامش کہ در مینائے خویش ❊ چوں مریداں حسن دارد حشیش
از تخیّل جنّتے پیدا کند ❊ مرترا بر نیستی شیدا کند
ناوکِ اندازے کہ تاب از دل برد ❊ ناوکِ او مرگ را شیریں کند
مار گلزارے کہ دارد زہر ناب ❊ صید را اول ہمے آرد بخواب
عشق با بحرِ نگاہش خود کشی ست ❊ کشتنش مشکل کہ مارِ خوانگی ست
حافظِ جادو بیاں شیرازی است ❊ عرفیِ آتش بیاں شیرازی است
ایں سوی ملکِ خرد مرکب جہاند ❊ آں کنارِ آبِ رُکنا باد ماند

این قتیلِ ہمتِ مردانۂ ؛ آں ز رمزِ زندگی بیگانۂ
دست ایں گیرد ز آنچہ خوشۂ ؛ چشم آں از اشک دارد توشۂ
روزِ محشر رحم اگر گوید بگیر ؛ عرفیا فردوس و حور او حریر
غیرتِ او خندہ بر حورا زند ؛ پشت پا بر جنّت الماٰ زند
بادہ زن با عرفی ہنگامہ خیز ؛ زندۂ از صحبتِ حافظ گریز
ایں فسوں خواں زندگی از مار بود ؛ جامِ او شانِ جمی از مار بود
محفلِ او درخورِ ابرار نیست ؛ ساغرِ او قابلِ احرار نیست
بے نیاز از محفلِ حافظ گذر ؛ الحذر از گوسفنداں الحذر

دیکھا آپ نے کس قدر سخت تنقید ہے؟ جسے میری طرح معتقدینِ حافظؒ برداشت نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر صاحب نے متذکرہ بالا تنقیدی اشعار کو "مثنوی اسرارِ خودی" سے خارج تو کر دیا مگر حافظ کے متعلق ان کا جو نظریہ ہے اُس میں کوئی فرق نہیں آیا، اگرچہ حافظ کو انھوں نے تنقیدی اشعار میں جادو بیاں کہا ہے لیکن دونوں کے نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کا دل حافظ کے متعلق صاف نہیں ہوا ہے، کئی بار انھوں نے حافظؒ کے اشعار پر تضمینیں کی ہیں مگر حافظ کا نام نہیں لیا ہے، "کلیات" میں "نصیحت" کے عنوان سے جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔ ؎

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشاں است ؛ حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز

خطاب بہ نوجوانانِ اسلام میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ع

"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

قربِ سلطان کی نظم میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ع

"گدائے گوشہ نشینی تو حافظِ مخروش"

اور یہ شعر بھی حافظ کا ہے:۔ ؎

محل نور تجلی ست رائے انور شاہ ؛ چو قرب او طلبی در صفائے نیت کوش

ارتقاء کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا دوسرا مصرعہ بادنیٰ تصرف حافظ کا ہے۔

"چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی"

ایک خط کے جواب میں جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔ ؎

گرت ہواست کہ با خضر ہم نشیں باشی ؛ نہاں ز چشمِ سکندر چوں آبِ حیواں باش

اسیری کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا آخری شعر حافظ کا ہے۔ ؎

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے قید و صید نیست ؛ کیں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند

طلوعِ اسلام کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر حافظ کا ہے۔ ؎

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم ؛ فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم

ظریفانہ نظم کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر حافظ کا ہے۔ ؎

دلق حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگیں کُن ؛ وانگہش مست و خراب از رہِ بازار بیار

میرے حافظہ میں جو نظمیں تھیں اور جن میں حافظ کے اشعار پر تضمینیں تھیں اُنہیں میں نے لکھا، ممکن ہے کہ اور تضمین بھی ہو لیکن مجھے اُن کا علم نہیں ہے اور شعراء کے اشعار پر بھی ڈاکٹر اقبال نے تضمینیں لکھی ہیں اُن شعراء کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں:-

تضمین بر شعر انیسی شاملو ؎

وفا آموختی از ما بکارِ دیگراں کردی ؛ ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کردی

تضمین بر شعر صائب ؎

ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد ؛ ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی

تضمین بر شعر مرزا بیدل ؎

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش ست ؛ ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش

تضمین بر شعر ملک قمی ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر ؛ یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

فردوس میں مکالمہ کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں شیخ سعدی شیرازی کا نام ہے اور دوسرا شعر تو سعدی ہی کا ہے ؎

اے آنکہ ز نورِ گہرِ نظم فلک تاب ؛ در من بچراغِ مہ و اختر زدۂ باز

اخیر کا شعر بھی سعدی شیرازی کا ہے ؎

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم ؛ دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

ڈاکٹر اقبال نے خواجہ حافظ شیراز کو کما حقہٗ پہچانا نہیں ہے، اس لئے وہ انکو شرابی کہتے ہیں، حالانکہ کسی نے حافظ کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، نہ گھر کے لوگوں نے اُن کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے نہ باہر کے لوگوں نے۔ خواجہ حافظ لسان الغیب کے نام سے مشہور ہیں، ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہوگئی تھی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی، جواہرات اُس میں لگے ہوئے تھے، اسکے علاوہ انکو سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر اُسکو کوئی غلط طریقہ پر استعمال کرے تو حکومت کا بہت زبردست نقصان ہوگا، اِسی فکر میں غلطاں و پریشان تھے، چوں کہ انکو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت مندی تھی، اس لئے فال دیکھنے کی غرض سے دیوانِ حافظ اٹھایا اور کنیز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ، وہ چراغ لے کر آئی انھوں نے دیوان کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا ؎

بفروغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زندرہِ دل ؛ چہ دلاور ست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

انھوں نے فوراً کنیز کی تلاشی لی تو اُس کی کمر سے مہر برآمد ہوئی۔

دُور کیوں جائیے، میری ہی حالت سُنئے ۱۹۳۸ء میں میں اپنے وطن سوات میں تھا، یہاں سے میں ۱۹۳۳ء میں گیا تھا، میرے چار بچے یہاں آمبور میں اپنے نانا محمد ہاشم صاحب کے پاس تھے اور میں سوات میں تھا، سُوات کے خویش و اقارب نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں واپس آمبور نہ جاؤں، میں بڑی کش مکش میں مبتلا تھا کہ واپس جاؤں یا سوات میں رہوں، آخر دیوانِ حافظ کھول کر فال نکالا تو یہ شعر نکلا۔ ؎

من از دیارِ حبیبم نہ از دیارِ رقیب ؛ مہینا بہ رفیقان خود رساں بازم

میرے بڑے لڑکے کا نام حبیب الرحمٰن ہے، یہ دیکھتے ہی جانے پر آمادہ ہوا لیکن ہاتھ میں رقم نہیں تھی، حیراں نقطہ وار دائرۂ پرکار میں رہا، گھر سے جب باہر نکلا تو ایک شخص باہر کھڑا میرے انتظار میں تھا، اُس نے

ایک سو روپیہ پیش کیا کہ دمہ کی دوا آپ نے جو دی تھی اُس سے بڑا فائدہ ہوا بیس سال کا دمہ اُس سے بالکل ٹھیک ہوگیا، یہ ایک سو روپیہ لو اور وہ نسخہ لکھ کر دیدو، چنانچہ کھڑے کھڑے وہ نسخہ لکھ کر میں نے دیدیا اور دوسرے دن بدراس جانے لگا، اُس وقت سے اب تک یہاں آمبور میں ہوں، کوئی صورت اپنے ملک جانے کی نہیں نکلتی، اچھا اب دوسری تنقید اور ترجیع ملاحظہ فرمائیے!

(۲) دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء کے اخیر ہفتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں زیر صدارت وجے رگھواچاریہ منعقد ہوا تھا جس میں مہاتما گاندھی کا نان کوآپریشن والا ریزولیشن پاس ہوگیا تھا جس کی مخالفت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی، لوگوں نے اُن پر شیم شیم کی آوازیں کسی تھیں، میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی آوازیں بلند کی تھیں، جناح صاحب اُسی وقت کانگریس سے نکل گئے، ہندوستان میں اب کوئی ادارہ اُن کے لئے نہیں رہا، مسلم لیگ تو مرچکی تھی، اس کی جگہ خلافت کانفرنس کام کررہی تھی، مجبور ہوکر آپ لندن تشریف لے گئے، سات آٹھ مہینہ کے بعد لندن سے واپس آکر اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں اعلان کردیا کہ لیگ کو پھر زندہ کردینا چاہئے، اس اعلان سے ڈاکٹر اقبال بہت برہم ہوئے اور فوراً تنقیدی قطعہ ارشاد فرمایا، جو صدائے لیگ کے عنوان سے روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا، اُس وقت کے تمام اُردو اخبارات نے نہایت شاندار طریقے سے شائع کیا اور بہت سے لوگوں کے وردِ زبان رہا وہ قطعہ یہ ہے جو اس وقت میری نوکِ زبان ہے" صدائے لیگ (از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبالؒ)

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر ⁂ اُترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں ⁂ اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیالِ دشت و بیاباں نکال دے ⁂ مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب ⁂ اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بُشریٰ لکم کہ منتظرِ ما رسیدہ ہست ⁂ یعنی حجابِ غیرتِ کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء)

میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ قطعہ تو بہت اچھا ہے لیکن جناح صاحب پر اس قدر

سخت تنقید پر مناسب ہے تمام لوگ قطعہ کو بہت پسند کر رہے ہیں مگر میں اس بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں بھی آپ کی طرح جناح صاحب کا مخالف ہوں، ناگ پور میں کانگریس کے اجلاس میں جب اُن پر شیم شیم کی آوازیں کسی گئیں تو میں نے بھی زور سے شرم شرم کی صدا بلند کی، میں پکا خلافتی اور کانگریسی ہوں اور وہ ان دونوں کے سخت خلاف ہیں، لیکن انھوں نے ۱۹۱۸ء میں جو بہت اہم کام انجام دیا ہے اُس کا اثر میرے دل و دماغ پر بہت زیادہ ہے، ۱۹۱۸ء میں وزیرِ ہند لارڈ مانٹیگو جب ہندوستان آئے تھے، اور پورے ملک کا انھوں نے دورہ کیا تو ایک رپورٹ لارڈ چیمسفورڈ اور مانٹیگو کے نام سے مرتب کی گئی جس میں سفارش کی تھی کہ ہندوستان میں کافی صلاحیت ہے اس لئے اُسے اصلاحات ملنے چاہئیں اس رپورٹ کی تائید تمام صوبجات کے گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں نے کی، لیکن بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے اس کی مخالفت کی کہ ہندوستان میں اصلاحات کی قابلیت نہیں ہے، ولنگڈن کے اس رویہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی صرف مسٹر محمد علی جناح ہی تھے جنھوں نے مشرح اور غیر مبہم الفاظ میں مخالفت کی اور لارڈ ولنگڈن کو دشمنِ ہند کہا کہ ایسے دشمنِ ہند گورنری کے لائق نہیں ہیں حکومتِ برطانیہ کو چاہئے کہ وہ انہیں واپس بلائے، جب لارڈ ولنگڈن کی میعادِ گورنری ختم ہوئی اور وہ لندن جانے لگے تو بمبئی کے کارپوریشن کی جانب سے لارڈ موصوف کے اعزاز میں جلسہ منعقد ہوا، اس موقعہ پر مسٹر محمد علی جناح اور ان کی بیوی نے کالی جھنڈیوں سے لارڈ ولنگڈن کا استقبال کیا، غیر قوم میں سے کسی کی یہ جرأت نہ ہو سکی، لہٰذا میں آپ کی خدمت میں بادب التماس کرتا ہوں کہ ازراہِ کرم اس قطعہ کو اپنے مجموعۂ اشعار سے خارج کر دیجیئے گا۔

خط لکھ کر دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر اقبال کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ واقعی جوش میں آکر میں نے چند تنقیدی اشعار لکھ دیئے ہیں لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کر دیا، میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کر دیا، آپ کے سوا اور کسی نے مجھے نہ لکھا اور نہ کسی نے زبانی ہی کچھ کہا ہے، اس بارے میں لکھنے والے آپ فردِ واحد ہیں، اطمینان رکھئے کہ میں نے اُن اشعار کو آپ ہی کے کہنے سے اپنے مجموعۂ اشعار سے خارج کر دیا ہے۔

۱۹۲۸ء میں جناب ڈاکٹر اقبال صاحبؒ مدراس تشریف لائے تھے تو میں اُن سے ملنے کی غرض سے مدراس گیا اور جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب کی معیت میں اُن سے ملا، سیٹھ صاحب نے میرا تعارف اُن سے کرانا چاہا آپ نے فرمایا "میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ اہلِ ایمان میں سے ہیں ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ؛ ادھر نکلے ادھر ڈوبے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اور پھر فرمانے لگے، ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور آکر مجھ سے ملے ہیں، میں نے اِسرارِ خودی میں جو تنقید خواجہ حافظ پر کی تھی اُس بارے میں آپ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اُن تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی سے خارج کردوں چنانچہ اُن کے کہنے سے میں نے اُن اشعار کو خارج کر دیا پھر ۱۹۲۱ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب پر چند اشعار بطورِ تنقید کہے تھے جنکو تمام اخبارات نے شائع کیا تھا اُس بارے میں آپ کا ایک خط آیا تھا کہ ان اشعار کو اپنے مجموعہ سے خارج کرو، میں نے اِن کے لکھنے سے اُن اشعار کو اپنے کلیات سے خارج کر دیا' میں جانتا ہوں یہ افغان ہیں' جب کسی بات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جب تک اُسے حاصل نہیں کر لیتے چین سے نہیں بیٹھتے"!

اب ایک تیسری تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی نے پُل بنگش کے پاس رات کے وقت ایک جلسہ میں تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں' مذہب سے نہیں بنتیں' جلسہ میں اخبار "الامان" کا نامہ نگار بھی تھا، اُس نے پوری رپورٹ مولوی مظہر الدین شیر کوٹی کو سنائی، چونکہ مولوی مظہر الدین مولانا مدنیؒ کے سخت مخالف تھے اس لئے انھوں نے جناب ڈاکٹر اقبال سے جو اُس دن لاہور سے دہلی آئے تھے کہا کہ رات کے جلسہ میں مولانا مدنیؒ نے کہا ہے کہ ملتیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں' چوں کہ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے نظریئے کے سخت خلاف تھی اس لئے جوش میں آکر مولانا مدنی پر سخت تنقید کی جس کا اظہار اس قطعے میں کیا ہے ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ؛ زدیوبند حسین احمدؐ ایں چہ بوالعجبی ست

سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن ست ؛ چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی ست

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ؛ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جب حضرت مولانا مدنی کی نظر سے یہ قطعہ گذرا تو آپنے اخبارات میں بیان شائع کروادیا کہ میں نے ملّت کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے بلکہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے، مولانا مدنی کا بیان جب اخبارات میں شائع ہوا تو جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے جناب ڈاکٹر اقبال کے جواب میں ایک سخت نظم تحریر فرمائی اور ڈاکٹر صاحب پر تنقید کی نظم سولہ اشعار پر مشتمل تھی، اُن میں سے دس شعر جو میری نوکِ زبان ہیں ملاحظہ ہوں ؎

کسے کہ خردہ گرفتست بر حسین احمد — زبانِ او عجمی و کلام در عربی ست
کہ گفت بر سرِ ممبر کہ ملّت از وطن ست — دروغ گوئی و ابراد ایں چہ بوالعجبی ست
درست گفت محدّث کہ قوم از وطن ست — کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا و نبی ست
زبانِ طعنہ کشادی مگر ندانستی — کہ فرقِ ملّت و قوم از لطائفِ ادبی ست
تفاوتے ست فراواں میانِ ملّت و قوم — یکے ز کیش دگر کشوری ست یا نسبی ست
خدائے گفت بہ قرآں لِکلِّ قومٍ ھاد — مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی ست
بقومِ خویش خطابِ پیمبراں بنگر — پر از حکایتِ یا قومِ مصحفِ عربی ست
رموزِ حکمت و ایماں ز فلسفی جستن — تلاشِ لذتِ عرفاں زبادۂ عنبی ست
بہ دیوبند گر اگر نجات می طلبی — کہ دیوِ نفسِ سلحشور و دانش توصبی ست
بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی — کہ نائب ست نبی را دہم ز آلِ نبی ست

حضرت مولانا مدنی کا اخبارات میں بیان اور اقبال احمد صاحب سہیل کی متذکرہ بالا نظم جب ڈاکٹر اقبال صاحب کی نظر سے گذری تو فوراً اخبار "مدینہ" بجنور مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء میں مضمون شائع کرادیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ ہوکر اُن پر سخت تنقید کی، اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی ہے اسلئے میں مولانا مدنی سے خواستگارِ معافی ہوں امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے تو معافی مانگ لی لیکن لوگوں نے اُن کے کلیات سے قطعہ خارج نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا اور اُن کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اگر زیادہ دن تک زندہ رہتے تو یقین ہے کہ وہ خود قطعہ کو کلیات سے خارج کردیتے۔!!!

مرزا حسن بیگ رفیع

ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب عابدی اُستاذ فارسی دہلی یونیورسٹی

مرزا حسن بیگ متخلص بہ رفیع اصلاً قزوینی تھے مگر چونکہ مشہد میں رہنے لگے تھے اس لئے مشہدی کہے جاتے ہیں، شروع میں رفیع نذر محمد خاں حاکم توران کے منشی اور کتاب دار تھے، کہا جاتا ہے کہ جب شاہجہان کی فوج بلخ کو فتح کرنے کے لئے چلی تو رفیع اپنے فائدہ کے خیال سے دہلی آ گئے، مؤلف نشترِ عشق کے قول کے مطابق وہ ۱۰۵۰ھ یا ۱۰۵۲ھ ہجری (۴۱-۱۶۴۰ عیسوی) میں شاہجہان کے دربار میں پہنچے اور پانصدی منصب پر فائز ہوئے، مگر مؤلف باغِ معانی نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ وہ ۱۰۵۲ھ ہجری میں ہندوستان آئے صحیح نہیں ہے۔ غالباً صاحبِ ہمیشہ بہار کا کہنا ٹھیک ہے کہ رفیع ۱۰۶۴ ہجری (۵۴-۱۶۵۳ عیسوی) میں ہندوستان آکر شاہجہان کے دربار تک پہنچے۔

رفیع نے اپنے سفر کا سبب بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے عشق اور اس میں ناکامی کی وجہ سے سفر کرنا پڑا تھا:-

خال تو ام انداخت مرا بر سفرِ ہند ❊ ہندو بچہ گشت مرا راہبر ہند
از رشک رفیع از سرِ کویت بسفر رفت ❊ ورنہ کیش آمد بنظر سیم و زرِ چند

نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ وطن سے تنہا بغیر کسی دوست کے چلے تھے:- ؎

از وطن یاری نیامد با منِ شیدا بروں ❊ آمدم مانند دست از آستیں تنہا بروں

؎ وفات: ۶۱-۱۰۶۰ ہجری/ ۱۶۵۰ عیسوی ؎ ۱۰۳۷-۱۰۶۹ ہجری/ ۱۶۲۸-۱۶۵۸ عیسوی۔